مولانا محمد عبیداللہ خاں عفیف

# الاستفتاء

بشیر احمد صاحب حسیم رحیم یار خاں سے لکھتے ہیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنا کاروبار کرتا تھا اسے جماعت کی مدرسہ کی کمیٹی نے تدریس کے لیے منتخب کیا اور پانچ سو روپے تنخواہ مقرر کی تدریسی ڈیوٹی صرف پانچ گھنٹے تھی۔ مزید ٹائم تدریس پر صرف کرنا مدرس کی اپنی مرضی پر منحصر ٹھہرا چاہے پانچ گھنٹوں سے زائد ٹائم دے چاہے صرف پانچ گھنٹے لیکن اس نے اپنا کام سمجھتے ہوئے اور یکجہتی سے دین کی خدمت کے لیے اپنا دکانداری والا کام معطل کر کے پڑھانا شروع کر دیا اور ٹائم کبھی پانچ گھنٹے اور کبھی آٹھ گھنٹے تدریس پر صرف کرتا رہا کیونکہ اس نے اسے ملازمت نہیں بلکہ اپنا کام سمجھا ہوا تھا۔ پھر دورانِ تعلیم مدرس نے ناظم مدرسہ سے کہا کہ میرا وقت پاس نہیں ہوتا، تقریباً میرا آٹھ سو ماہانہ خرچ ہے، لہٰذا میری تنخواہ میں اضافہ ہونا چاہیے۔ اس پر مدرسہ کی کمیٹی نے کہا کہ سالانہ امتحان تک اسی تنخواہ پر پڑھاؤ اور آئندہ حالات کے تحت تنخواہ بڑھا دی جائے گی اور پانچ گھنٹے تدریس کے بعد اپنا کوئی کام کر لیا کرو۔ اس نے یہ فیصلہ قبول کر لیا۔ امتحان کے بعد اس نے رمضان کی چھٹیوں کی تنخواہ کا مطالبہ کیا۔ کمیٹی نے نہ صرف تنخواہ دینے سے انکار کر دیا بلکہ آئندہ تدریس سے بھی جواب دے دیا۔ تنخواہ نہ دینے کا ایک آدمی کے کہنے پر یہ کہا کہ یہ تو ٹیوشن تھی، چھٹیوں کی تنخواہ کیسے؟ جبکہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ ٹیوٹر طے شدہ وقت سے زائد وقت ہرگز نہیں دیتا۔ ٹیوشن کا مسئلہ آغاز سے قبل طے کیا جاتا ہے، جبکہ تدریس کے معاہدہ میں ٹیوشن کا ذکر تک نہیں ہوا۔ نہ پہلے نہ دورانِ تعلیم، علاوہ ازیں ٹیوشن پڑھانے والا اپنا دیگر کاروبار معطل نہیں کرتا حالانکہ اس نے

معطل کر دیا۔ مندرجہ بالا تحریر کے تحت شرعی فتویٰ صادر فرمائیں کہ آیا مدرّس چھٹیوں کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیوں؟ جبکہ سرکاری اور غیر سرکاری تمام مدارس میں مدرسین کو چھٹیوں کی تنخواہ دی جاتی ہے۔ بلینوا بالدلیل وتوجروا عند الجلیل!

**الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب:**

بشرطِ صحتِ سوال ولشرطِ صحت کاتب واضح ہو کہ آغازِ کار ہی میں انتظامیہ اور مدرّس کو باہمی رضامندی سے سالانہ تعطیلات کی تنخواہ دینے نہ دینے کا سمجھوتہ کر لینا چاہیے تھا۔ خواہ وُہ سمجھوتہ تنخواہ کی ادائیگی پر ہوتا یا عدم ادائیگی پر، تاکہ تعطیلات کے وقت اس پر عمل ہوتا، جیسا کہ قرآن مجید میں: "یا یہا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود!" سے ظاہر ہے۔

مگر چونکہ ایسا نہیں ہو سکا تو اب فیصلہ معروف ہونا چاہیے۔ بقاعدہ المعروف کالمشروط۔ اگر یہ بھی صورت نہ ہو تو واضح رہے کہ مدرّس اجیرِ خاص کے حکم میں ہے۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے:

"وهو الذی یقع العقد علیه فی مدة معلومة یستحق المستاجر نفعه فی جمیعها کرجل استوجر بخدمة او عمل فی بناء او خیاطة او رعایة یوما خاصا لاختصاص المستاجر بنفعه فی تلك المدة دون سائر الناس" (ص۴۷۹ ج ۵)

اور ہدایہ میں ہے:

"والاجیر الخاص الذی یستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل شهرا للخدمة او یرعی الغنم و انما سمی اجیرا لانه لا یمکنه ان یعمل لغیره لان منافعه فی المدة صارت مستحقة له والاجیر مقابل بالمنافع و لهذا یبقی مستحقا وان نقض العمل" (هدایة ص۲۹۴ ج ۳)

اور اسی طرح درالمختار مع غایۃ الاوطار میں ہے:

"والاجیر الخاص ولیسمی اجیر واحد وهو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص ولیستحق الاجر بتسلیم نفسه فی المدة جوهرة نیره وان لم یعمل کمن استوجر شهرا

للخدمة او شهر الرعی الغنم المسمی باجر مسمی" (ص۲۲ ج۴)

یعنی اجیر خاص وُہ ہے جو ایک مستاجر کا عمل موقت کرے تخصیص کے ساتھ اور اجیر خاص اجرت کا مستحق ہوتا ہے اپنی ذات کی تسلیم سے یعنی مدت میں حاضر ہونے سے کذا فی الجوهرة النیرة اگرچہ بعد حاضر ہونے کے کام نہ کرے مانند اس شخص کے جو ایک مہینہ نوکر ہوا خدمت کے واسطے یا ایک مہینہ بکریاں چرانے کے واسطے معین دو ماہے پر!"

لہٰذا ان فقہی تصریحات کے مطابق مدرسین حضرات اجیر خاص کہلائیں گے اور سالانہ تعطیلات کی تنخواہ کے مستحق ہوں گے۔

اسی طرح اثنائے سال میں مدرس کی تدریس اگر کسی وجہ سے موقوف ہو جاتی ہے مثلاً طلبہ چلے جاتے ہیں یا اور کوئی ہنگامی رکاوٹ پیش آجاتی ہے اور تدریس رُک جاتی ہے تو مدرس پھر بھی بدستور روایت (تنخواہ) کا مستحق ٹھہرے گا جب تک کہ اتفاق رائے سے اس کے خلاف کوئی حتمی فیصلہ نہ ہو۔

بدایۃ المجتہد میں ہے:

"فقال عبد الوهاب الظاهر من مذهب اصحابنا ان محل استیفاء المنافع لا یتعین فی الاجارة وان عین فذٰلك كالوصف لا ینفسخ ببیعه او ذهابه بخلاف العین المستاجرة اذا تلفت وذٰلك مثل ان یستاجر علی رعایة غنم باعیانها وخیاطة قمیص بعینه فتهلك الغنم ویحترق الثوب فلا ینفسخ العقد علی المستاجر ان یاتی بغنم مثلها لیرعاها او قمیص مثله لیخیطه" (ص۲۲۳ ج۲)

نیز مدرس کو چھٹیوں کا حق چونکہ انتظامیہ کی طرف سے حاصل ہُوا ہے۔ اس کا بھی تقاضا ہے کہ مدرس کو سالانہ تعطیلات کی تنخواہ کے حق سے محروم نہ رکھا جائے، جیسا کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اپنی رفیقہ حیات سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کے پیش نظر جنگ بدر میں شریک نہیں ہُوئے تھے۔ اس کے باوجود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" ان لك اجر رجل ممن شهد بدر وسہمہ "

(رواہ البخاری فی صحیحہ)

چونکہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا جنگ بدر سے یہ تخلف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی سے تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ غزوہ بدر کے مال غنیمت سے (اپنے حصے) کے حق دار بنے تھے۔ اسی طرح مدرس کا سالانہ تعطیلات میں تدریس کے فرائض انجام نہ دینا انتظامیہ کی رضامندی سے ہوتا ہے۔ لہذا وہ بھی سالانہ تعطیلات کی تنخواہ کا حق دار رہتا ہے لہذا صورت مسئولہ کو مندرجہ بالا صورتوں پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی انتظامیہ کو سالانہ تعطیلات کی تنخواہ دینا پڑے گی۔

جہاں تک مدرس کی تنخواہ کا تعلق ہے تو وہ بلاشبہ چھٹیوں کی تنخواہ کے مستحق ہیں۔ انتظامیہ کو چاہیے کہ وہ خندہ پیشانی کے ساتھ بلا کسی کم و کاست کے ان کی پوری تنخواہ ادا کرے جہاں تک انتظامیہ کی طرف سے ٹیوشن قرار دینے کا بہانہ ہے تو وہ محض لغو حیلہ ہے کیونکہ مدرس حسب تحریر طے شدہ وقت یعنی برابر پانچ گھنٹے کام کرتے چلے آتے ہیں اور انتظامیہ کے ساتھ ان کا یہی معاہدہ تھا۔ واضح رہے کہ میرے اس فتوای کی بنیاد فاضل معاصر حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب سرہالوی مدظلہ العالی کا وہ فتوای ہے جو بیہقی الزماں حضرت الاستاذ جناب حافظ محمد صاحب گوندلوی " لا زالت شموسہ بازغۃ علی وعلی معاصری من تلامذیہ " کی تصدیق انیق کے ساتھ ۹ رجب ۱۳۹۸ھ کو جماعتی آرگن " الاعتصام " لاہور میں چھپا تھا۔ مختصر یہ کہ حسب تحریر مدرس تعطیلات سالانہ کی تنخواہ کے بلاشبہ مستحق ہیں اور مدرسہ کی انتظامیہ کے لیے ازبس ضروری ہے کہ بلاشبہ کسی تاخیر کے ان کی پوری پوری تنخواہ ادا کر دے ورنہ قیامت کے روز وہ جوابدہ ہو گی۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب